انور سدید اور سلیم اختر کی تواریخِ ادب میں انشائیہ کے مباحث

عبدالشکور شاکر
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
گورنمنٹ کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

DISCUSSIONS ON URDU ESSAY
AND ANWAR SADEED AND SALEEM AKHTAR

Abdul Shakoor Shakir
Assistant Professor of Urdu
Govt. College Satellite Town, Gujranwala

Abstract

Saleem Akhter and Anwar Sadeed are two literary historians who have comprehensively discussed Urdu Essay. Though, they are prominent literary historians, yet they differ in literary trends, concepts, theories, movements and subjects. They have different viewpoints on Urdu Essay. However, their views could not be considered perfect and comprehensive. They have partially exceeded each other at some places. They have adopted a hard and biased stance about the beginning of Essay and its development in Urdu. Their controversial views are reflective of their own schools of thought and contemporary professional biasness. This article consists of a descriptive and comparative study of their exploratory and critical discussions on Urdu Essay.

Keywords:
انشائیہ، تہذیب الاخلاق، نیرنگ خیال، مضمون نگاری، ابتدا و ارتقا، تقابلی مطالعہ

انشائیہ عربی لفظ اِنشاء سے صورت پذیر ہوا ہے۔ عربی گرامر میں اِنشـاءٌ: نَشَـأَ، یَنْشَـأُ، نَشْـأَۃً (زندہ ہونا، نیا ہونا، رونما ہونا، پرورش یا نشوونما پانا) سے مشتق ہے، جس کا مادہ ن ش أ ہے۔ اسی سے علم الانشا کی اصطلاح وضع ہوئی؛ عربی و فارسی اور اُردو میں انشائی، انشائیہ، منشا، منشی، انشا پرواز، انشا طراز اورانشا پردازی کی اصطلاحات بھی اسی سے مشتق ہیں۔

علمائے لغتِ عربیہ کے مطابق انشاءٌ/ الانشاءُ سے کسی چیز کا ایجاد کرنا اور اس کی تربیت کرنا مراد ہے۔ جیسا کہ امام راغب نے ''المفردات فی غریب القرآن'' میں اس پہلو دار لفظ کی توضیح میں لکھا ہے:

''قُلْ هُوَ الَّذِیٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ.
(الملک: ۲۳)
وَقَالَ: هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ. (النجم: ۳۲)
وَقَالَ: ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَo (المومنون: ۳۱)
وَقَالَ: ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ. (المومنون: ۱۴)
وَنُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَo (الواقعہ: ۶۱)
ثُمَّ اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ. (العنکبوت: ۲۰)
فَهٰذِهٖ كُلُّهَا فِی الایجاد المُختصّ باللّٰه. ... الخ'' (۱)

یعنی ان جملہ آیات میں ''انشاء'' کا لفظ بمعنی ایجاد و تخلیق استعمال ہوا ہے جو خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی جامع نکتے کی تشریح کرتے ہوئے صاحبِ ''لغات القرآن'' لکھتے ہیں:

''اِنشَــــاءٌ: نشوونما دینا، بتدریج آگے بڑھانا اور پروان چڑھانا، خدا کی صفتِ ربوبیت کا نتیجہ ہے۔ کائنات کی ہر شے خدا کے پروگرام کے مطابق اُس کے قانون کی رُو سے نشوونما پاتی اور بتدریج اپنے منتہا کی طرف بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہی کچھ انسان کو اپنی دنیا میں کرنا ہوگا۔ یعنی اپنی اور اپنے ساتھ ہر فردِ انسانی کی نشوونما، اس کی صلاحیتوں کی برومندی اور انھیں تکمیل تک پہنچانا۔''(۲)

اس میں کچھ کلام نہیں کہ خالق حقیقی باری تعالیٰ نے جو جملہ صفاتِ حسنیٰ کا مالک ہے، بعض صفات احسن التقویم انسانوں میں بھی ودیعت کر رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک تخلیقی صفت بھی ہے۔ اسی تخلیقی صفت کی متعدد نوعیتیں اور صورتیں ہیں، ان میں ایک فن یا ادب کی تخلیق ہے، ادب کی مختلف اصناف ہیں، ان میں سے ایک صنف انشائیہ ہے جس میں تخلیق کار یعنی انشائیہ نگار کی تخلیقی صفت انکشاف ذات کے ساتھ

ایک لطیف صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ انشائیہ ایک لطیف صنفِ نثر ہے، جو شخصی زاویہ نظر کے تحت موضوع کے خارجی احوال و کوائف کی غیر رسمیہ پیش کش کا نام ہے۔

انشائیے کے آغاز میں بالعموم ایک لطیف نکتہ پیدا کیا جاتا ہے، جو مصنف کی ندرت خیال کے ذریعے تسلسل سے آگے بڑھتا، شخصی زاویہ نظر کے ساتھ تخلیقی رنگ اختیار کرتا اور غیر رسمی طریق پر صنفی تشکیل سے ہمکنار ہوتا ہے۔ یہی خصوصیات اسے روایتی مضمون سے مختلف بناتی ہیں۔ انھی خصوصیات اور چند دیگر مقتضیات کی بنیاد پر انگریزی Essay کے لیے اردو میں مضمون کے بجائے انشائیہ کی اصطلاح متعارف ہوئی اور بالآخر ساٹھ کی دہائی میں اس کے لیے مخصوص ہو گئی۔

'Essay' کے لیے اُردو میں انشائیہ کی اصطلاح اس کی نسبت زیادہ جامع اور بلیغ ہے جو اس کے لغوی و اصطلاحی مطالب سے مناسبت رکھتی اور اس کے صنفی خصائص کی کُلیتہً ترجمانی کرتی ہے۔ اپنی انھی صفات کی بنا پر انشائیہ کا بطور اصطلاح استعمال برصغیر پاک و ہند میں یکساں قابلِ قبول ہوا اور اسے ہر پہلو سے بہت سراہا گیا جیسا کہ مشکور حسین یاد کا کہنا ہے:

> ''اُردو والوں نے جو لفظ انشائیہ ایسے کی جگہ استعمال کرنا شروع کیا ہے، اپنے معنی کے اعتبار سے Essay کے لفظ سے کہیں زیادہ مناسب اور موزوں ہے، بلکہ سچ پوچھیے تو مناسب اور موزوں کے الفاظ بھی انشائیہ کی وسعت اور ہمہ گیری کو واضح نہیں کرتے۔ ایسے کے معنی تو محض کوشش کرنے یا قدم اٹھانے کے ہیں اور یہ معنی کسی طرح بھی ان معنی کے عمق اور اُفق کا احساس نہیں دلاتے جو لفظ انشائیہ کے معنی میں پوشیدہ ہیں۔۔۔۔ انشائیہ کا لفظ ایسے کے لفظ سے زیادہ واضح المطالب ہے۔ انشائیہ کے لفظ میں جو ایک تخلیقی اضطرار کی کیفیت پائی جاتی ہے، وہ ہمیں ایسے کے لفظ میں نظر نہیں آتی۔ انشائیہ کا لفظ ہمیں براہ راست تخلیقی اضطرار کا احساس دلاتا اور بڑے بھرپور انداز میں دلاتا ہے...''(۳)

آکسفورڈ ڈکشنری آف لٹریری ٹرمز میں "Essay" کے معنی ایک ادبی اصطلاح کے طور پر یہ بیان کیے گئے ہیں:

> "A short written composition in prose that discusses a subject or proposes an argument without claiming to be a complete or thorough exposition.A minor literary

form,the essay is more relaxed than the formal academic dissertation.(4)

''انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا'' میں شامل سرایڈمنڈ گوز کے مضمون میں بیان کردہ انشائیہ کی تعریف نسبتاً مفصل اور واضح ہے:

"As a form of literature, the Eassy is a composition of moderate length, usually in prose, which deals in an easy, cursory way with the external conditions of a subject and in strictness, with that subject only as it affects the writer...." (5)

مذکورہ بالا تعریف میں ایک انشائیے کے لیے چار چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اول: مضمون معتدل طوالت سے مرتب ہو، دوم: نثر میں ہو، سوم: سہل اور سرسری پیرائے میں موضوع کے خارجی احوال پیش کرے اور چہارم: موضوع سے مضمون نویس کے اثر پذیر ہونے کی حد تک متعلق ہو، بالفاظ دیگر اس میں ایک شخصی زاویۂ نظر وجود پذیر ہو۔ان خصائص کے ساتھ ساتھ اسلوبِ بیان میں شگفتگی، بے ساختگی اور بے تکلفی کا رنگ بھی منعکس ہونا چاہیے۔

انشائیہ کے موضوعات لامحدود اور بے حساب ہیں۔ انشائیہ نگاری کے لیے موضوع، عنوان یا مضمون کی کوئی قید نہیں، کسی بھی چیز یا معاملہ کو موضوع بنایا جا سکتا ہے۔تاہم دقیق علمی موضوعات اور فلسفیانہ مسائل کے بیان سے احتراز لازم آتا ہے۔

انشائیہ نگاری کی خصوصیات ومقتضیات

اگرچہ انشائیہ انضباطِ قواعد کے تحت معرضِ تحریر میں نہیں آیا، تاہم ہر مضمون انشائیہ نہیں کہلا سکتا۔ ہر صنفِ نظم ونثر کی طرح اس کے بھی چند اصول اور خصوصیات معین کی گئی ہیں، جو صنف انشائیہ کا مابہ الامتیاز ہیں۔ یہاں چند ایسی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے جو انگریزی اور اردو کے صاحبِ بصیرت ادبا و ناقدین کی تحریروں سے ماخوذ ہیں:

- موضوعات میں وسعت وتنوع
- ہیئت میں لچک
- غیر رسمی اندازِ اظہار
- روانی وسلاست اور شگفتگی
- ایجاز واختصار
- داخلی انداز
- تسلسلِ خیال
- شخصی زاویۂ نظر

- زبان وبیان کی ندرت - اعتدال وتوازن
- بے تکلفی و بے ساختگی - غنائی نظم کا رنگ
- اختتام پہ نا تمامی کا احساس (عدم تکمیل)

انشائیے کے مقتضیات کے ضمن میں بعض اُدبا کا خیال ہے کہ مضمون کے برعکس انشائیے میں بے ربطی بھی ہوتی ہے جبکہ بقول غلام حسین انشائیے میں خیال کی مختلف پرتیں تو ہوتی ہیں مگر ان میں ایک داخلی ربط بھی ہوتا ہے کم ازکم یہ خیالات بے سروپا نہیں ہوتے۔(۶) یعنی پیش کردہ خیال کی کئی ایک جہتیں ہوتی ہیں اور ان میں باہمی تعلق بھی ہوتا ہے اور تناسب وتوازن بھی۔گوانشائیہ خیالات کے فطری اظہار کا نام ہے تاہم اس میں زندگی سے متعلق چیزوں کو نئے ڈھنگ اور نئے رنگ سے ملاحظہ کرنے اور اندازِ دیگر سے پیش کرنے کا اسلوب بھی لوازمات میں شامل ہے۔انشائیہ نگاری، مظاہرِ حیات اور معاشرتی زندگی کی اشیا کا شخصی زاویۂ نظر سے مطالعہ کرنے اور تاثرات کو تازہ کاری وآزادگی اور غیر رسمی انداز سے پیش کرنے کا عمل ہے۔الغرض انشائیہ نثری ادب کی ایک لطیف صنف ہے جو کسی بھی ادیب کے متنوع فکر ونظر کے تخلیقی اظہار کا دل پذیر اور مؤثر وسیلہ ہے۔

مضمون اور انشائیہ میں فرق

ماضی میں مضمون اور انشائیہ کو باہم ملایا جاتا رہا۔چونکہ دونوں کے الگ الگ اصول وضوابط مقرر نہ تھے، سواُدبا، ناقدین اور اساتذہ ادب، بالعموم مضمون اور انشائیہ میں واضح فرق روا نہیں رکھتے تھے اور دونوں اصناف کو ایک ہی شے جانتے اور مانتے تھے۔بعض خارجی خصائص کا اشتراک مضمون اور انشائیہ میں انفرادیت اور جداگانہ امتیاز نہ کرنے کا سبب بنا۔ان خصائص میں موضوع کی وسعت، ہیئت کی لچک، اسلوب کی جدت وندرت اور اختصار شامل ہیں۔انھی کی بنا پر مضمون اور انشائیہ کو ایک ہی صنف یا ایک ہی صنف کی دوصورتیں تصور کیا جاتا تھا۔لیکن ''کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے'' کے مصداق ان کے داخلی وموضوعی اختلاف کی وجہ سے دونوں میں امتیاز کیا جانے لگا ہے۔

مضمون کسی بھی موضوع پر متین وسنجیدہ، مدلل اور منطقی تحریر ہے جس کی غرض وغایت کسی حقیقت یا نقطۂ نظر کی قارئین تک ترسیل اور ابلاغ ہے۔زبان وبیان کی دلکشی وخوبصورتی اور اسلوب کی ندرت اور فصاحت اس کے مقصد کا ذریعہ ہے جبکہ انشائیہ ایک داخلی اور شخصی موضوعی تحریر ہے جس کا اسلوب کسی خارجی مقصد کا تابع نہیں بلکہ ایک انشائیہ نگار کی شخصیت، اس کی زندگی کے مجموعی تصور اور انفرادی احساس کا عکاس ہوتا ہے۔

مضمون اور انشائیہ دونوں کے موضوعات کا کوئی شمار نہیں مگر جہاں مضمون زیرِ بحث موضوع کو معروضی اور منطقی واستدلالی پیرایے میں پیش کرتا ہے، وہاں انشائیہ داخلی انداز، سبک تحریر، شخصی نقطۂ نگاہ اور غیر رسمی اندازِ اظہار ایسی خصوصیات کا مظہر ہوتا ہے۔ یہی وہ خصائص ہیں جن کی بدولت انشائیہ فی زمانہ بہت مقبول ہوا ہے اور یہی قبولِ عام اس کے نشو وارتقا کا موجب بنا۔

انشائیہ نگاری کا آغاز، روایت اور ارتقا

اس میں کچھ شک نہیں کہ دیگر اصناف نظم ونثر کے برعکس انشائیہ ایک نئی صنف ہے۔ تحقیق کے مطابق انشائیہ فرانسیسی سے انگریزی ادب میں اور انگریزی کے توسط سے اردو ادب میں وارد ہوا۔ شروع شروع میں مضمون ہی کو انشائیہ سمجھ لیا گیا لیکن بعدۂ اسے مضمون سے الگ کر لیا گیا۔ اسے مضمون سے الگ کرنے کے لیے چند اصول وضع کیے گئے جو انشائیہ کو صنفی شناخت دینے کے ساتھ ساتھ اس کے رواج، اور ترقی کا موجب بھی بنے۔

انشایئے کے آغاز اور ارتقا سے متعلق پروفیسر ابو الاعجاز حفیظ صدیقی اپنی معتبر کتاب میں رقم طراز ہیں: ''انشائیہ کا بانی ایک فرانسیسی ادیب مونتاں (Montaigne) (متوفی ۱۵۹۲ء) تھا۔ اس نے بعض موضوعات پر ہلکے پھلکے انداز اور نثر کی شکل میں کچھ خیال آرائی کی تھی چونکہ اس کا شمار کسی متداول صنفِ ادب میں نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے اس نے اسے 'Essai' کا نام دیا، جس کے معنی ہیں: کچھ کہنے کی کوشش۔ بعض لوگوں نے یہ قیاس بھی ظاہر کیا ہے کہ فرانسیسی لفظ 'Essai' اور اس کی انگریزی شکل 'Essay' کی اصل عربی لفظ سعی یا السعی (کوشش) ہے اور یہ لفظ اسپین میں مسلمانوں کے عہدِ اقتدار میں فرانس تک پہنچ گیا ہوگا۔۔۔ انگریزی میں بیکن نے سب سے پہلے اس صنف ادب سے اعتنا کیا۔ انگریزی میں انشایئے نے خوب ترقی کی۔ اردو انشائیہ اردو ادب پر انگریزی اثرات کا نتیجہ ہے۔ سر سید احمد خان کو اردو انشایئے کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ انھوں نے انگریزی انشائیہ نگاروں اڈیسن اور سٹیل کی تقلید میں 'تہذیب الاخلاق' کے لیے انشایئے لکھ کر اس صنفِ ادب کو اردو میں رواج دیا۔ لیکن سر سید کے اکثر انشایئے مواد کی منصوبہ بندی، منطقی استدلال، علمی تکمیل، جامعیت کی کوشش، معین مقصد اور طرزِ اظہار کی سنجیدگی کے باعث علمی مقالے بن گئے ہیں۔ تاہم ان کے ہاں بعض ایسے مضمون موجود ہیں جو انشائیہ کی تمام تر نہ سہی اکثر شرطوں پر ضرور پورے اترتے ہیں۔ جیسے کہ 'اُمید کی خوشی'، 'گزرا ہوا زمانہ' اور 'بحث وتکرار' وغیرہ۔'' (۷)

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار'' مضامینِ سر سید: منتخباتِ تہذیب الاخلاق'' کے مقدمہ طبع ثالث میں

اردو انشائیے کی ابتدا اور روایت وارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''جہاں تک اردو میں انشائیے کی روایت کا تعلق ہے، یہ سلسلہ ایک صدی سے جاری ہے۔افراط وتفریط کے متذکرہ سیلاب میں کسی متحارب فریق کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ تہذیب الاخلاق کے بعد اہم ادبی رسائل مثلاً دلگداز، زمانہ، ادیب، مخزن، ہمایوں نیرنگ خیال، نگار، عالمگیر، شاہکار، ادبی دنیا وغیرہ شائع ہوتے رہے ہیں، ان کے فائل ہی ملاحظہ کر لیتے۔ان ادبی رسائل میں سینکڑوں ایسی تحریریں مل جائیں گی جو اس آزاد صنفِ لطیف ''انشائیہ'' کی بیشتر خصوصیات کی حامل ہیں....اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس (گزشتہ) صدی کے شروع میں انشائیہ ایک مقبول صنفِ ادب تھی اور اس صنفِ ادب میں متعدد اہلِ قلم اپنی جولانی کا ثبوت دے رہے تھے اور یہ سلسلہ یقیناً غالب اور سرسید تک چلا جاتا ہے....آزادی کے بعد اس آزاد صنفِ ادب کو دوبارہ فروغ حاصل ہوا۔اس فروغ وترقی میں یقیناً ہمارے موجودہ دور کے انشائیہ نگاروں کی خدمات قابلِ تحسین ہیں۔''(۸)

اگرچہ سرسید اوران کے عہد ومابعد کے اُدبا کی مضمون نگاری کے بعض نمونوں کو بھی، ڈاکٹر غلام حسین، ڈاکٹر سلیم اختر اور بہت سے ناقدین ادب اور اساتذہ، انشائیہ ہی جانتے ہیں یا انشائیے کی ابتدائی صورت مانتے ہیں تاہم انھی کے بقول اس کا زیادہ رواج تقسیم ہند کے بعد ہی ہوا اور اس کی ترویج وترقی ہوئی۔

انور سدید اور سلیم اختر اردو ادب کے دو اہم معاصر تاریخ نگار ہیں، جنھوں نے اپنی اپنی تاریخ میں اردو انشائیہ اور انشائیہ نگاری پر جامع تبصرہ کیا ہے جس کا تنقیدی، تقابلی جائزہ آئندہ سطور میں اجمالاً پیش کیا جاتا ہے۔زیرِ مطالعہ موضوع پر ڈاکٹر انور سدید نے اپنی مشہور تصنیف ''اردو ادب کی مختصر تاریخ'' میں ان الفاظ میں اظہارِ خیال کیا ہے:

''انشائیہ اردو کی ایک نئی صنفِ نثر ہے جس کا فروغ زیادہ تر پاکستان میں ہوا۔انشائیہ نگاری زندگی کی اشیا اور مظاہر کو نئے شخصی زاویوں سے دیکھنے اور تاثر کو اسلوب کی تازگی اور آزادروی سے پیش کرنے کا عمل ہے۔''(۹)

اس کے بعد وہ انشائیہ کے قبول عام اور فروغ پانے کا حال بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''انشائیہ اپنی فعال حیثیت میں ۱۹۶۱ء کے لگ بھگ اس وقت سامنے آیا جب مرزا ادیب اور وزیر آغا نے اس کے قبولِ عام کی راہ ہموار کر دی۔ان کے انشائیوں کی پہلی کتاب

'خیال پارے' (وزیر آغا) اسی سال شائع ہوئی تو اسے وہی اہمیت ملی جو ترقی پسند تحریک میں افسانوں کی کتاب 'انگارے' کو ملی تھی۔ اس صنف کو مشتاق قمر، جمیل آذر اور غلام جیلانی اصغر نے خصوصی اظہار کا وسیلہ بنا دیا اور بہت سے معمولی موضوعات کے غیر معمولی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ صنف اتنی اہمیت اختیار کر گئی کہ اس کی مخالفت ادبی اور غیر ادبی وجوہ کی بنا پر ہونے لگی اور ایک حزبِ اختلاف بھی پیدا ہو گیا۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ انشائیہ اس دور کی مقبول لیکن متنازع صنفِ ادب ہے جس کا حلقۂ تخلیق و اثر روز بروز وسیع ہو رہا ہے۔'' (۱۰)

ڈاکٹر انور سدید نے انشائیہ کو نئی صنفِ ادب بھی کہا اور ایک انتہائی مقبول بھی اور اس کے ساتھ ساتھ اسے متنازع فیہ بھی تسلیم کیا ہے۔ وہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اور سلیم اختر کے نقطۂ نظر کے برعکس سر سید کے بجائے ڈاکٹر وزیر آغا کو اردو انشائیے کی عمارت کا عظیم معمار اور ان کے انشائیوں کے مجموعہ ''خیال پارے'' کو انشائیہ کی عمارت کا سنگِ بنیاد قرار دیتے ہیں۔ وہ وزیر آغا کو اردو انشائیہ نگاری میں وہی منزلت اور وہی مقام دیتے ہیں جو فرانسیسی انشائیے میں مونتاں اور انگریزی انشائیے میں بیکن اور جانسن کو حاصل ہے۔ اپنی سوچ کی تائید کے لیے وہ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن کا مبالغہ آمیز یہ قول بھی نقل کرتے ہیں:

''جس طرح مثنوی کے ساتھ مولانا رومؔ یا میر حسنؔ کا نام ذہن میں ابھرتا ہے اسی طرح انشائیے کے ساتھ مونتیں، جانسن یا پھر وزیر آغا کا نام ذہن میں آتا ہے۔'' (۱۱)

اپنی کتاب میں خلافِ حقائق اس دلچسپ قول کے نقل کرنے کے بعد ڈاکٹر انور سدید نے وزیر آغا کی انشائیہ نگاری اور ان کے انشائیوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''وزیر آغا کی تہذیبی شخصیت کا جوہر کمالِ فن کے ساتھ ان کے انشائیوں میں موجود ہے۔ 'خیال پارے'، 'چوری سے یاری تک'، 'دوسرا کنارہ' کے انشائیوں میں موضوع نیم خوابیدہ آنکھ کی طرح کھلتا اور اندھیرے میں جگنو کی طرح دودھیا روشنی بکھیر دیتا ہے۔ وزیر آغا قاری کو دریا کے کنارے سے دوسرے کنارے کا منظر دکھاتے اور اشیا اور مناظر کی انوکھی حقیقت کو آشکار کر دیتے ہیں۔ فٹ پاتھ، حقہ پینا، بارھواں کھلاڑی، ہجرت، گرمی اور کھڑکی جیسے موضوعات کو انھوں نے لمسِ تخلیق سے غیر معمولی بنا دیا اور معنی کا غنچہ نئے انداز میں کھلا دیا ہے۔'' (۱۲)

ڈاکٹر انور سدید نے ڈاکٹر وزیر آغا کی انشائیہ نگاری کو سراہنے اور ان کے انشائیوں کی متعدد خوبیاں بیان کرنے اور ان کو اردو انشائیہ میں بنیادی و مرکزی حیثیت دینے کے بعد دیگر ادیبوں کی انشائیہ نگاری

پراجمالاً رائے زنی کی ہے۔غلام جیلانی اصغر کی انشائیہ نگاری پر لکھا ہے کہ ان کے انشائیوں کی منفرد خصوصیت، سبک طنز اور لطیف مزاح کی شگفتہ لہر ہے جو موضوع کو پھولوں کی طرح مسکرانے پر مائل کر دیتی ہے۔جیلانی صاحب زندگی کے خوش فکر ناظر ہیں۔انھوں نے انشائیوں میں موضوعات کو شگفتہ نظری سے دیکھا اور انشائی کیفیت پیدا کی ہے۔ڈاکٹر انور سدید نے غلام جیلانی اصغر کے بعد تمام انشائیہ نگاروں کے اسمائے گرامی نہیں گنوائے اور جو نام لیے ہیں، ان کی انشائیہ نویسی پر سیر حاصل تبصرہ نہیں کیا۔فقط چند ایک انشائیہ نگاروں کے مختصر تذکرے پر اکتفا کی ہے۔مثلاً مشتاق قمر، جمیل آذر، کامل القادری، سلیم آغا قزلباش، احمد جمال پاشا، رام لعل نابھوی، ارشد میر، اکبر حمیدی، بشیر احمد سیفی، حیدر قریشی، جان کاشمیری، سعد اللہ، حامد برکی، شمیم ترمذی، اقبال انجم، رضی الدین رضی، یونس بٹ اور اسلام تبسم کے محض نام گنوائے ہیں اور مجموعی تعریف کی ہے۔ان کے بعد جوگندر پال، شہزاد احمد، غلام الثقلین نقوی اور صابر لودھی کا انشائیہ نگاری میں ضمناً تذکرہ کیا ہے۔چند دیگر نام لینے کے بعد انھوں نے آخر میں یہ تبصرہ کیا ہے:

> ''اردو انشائیہ کا متذکرہ بالا تاریخی جائزہ ظاہر کرتا ہے کہ اب اس صنف میں ایک ایسی نسل بھی وارد ہو چکی ہے جس کے تخلیقی اظہار کا وسیلہ ہی انشائیہ ہے۔موضوعی اعتبار سے یہ صنف مغرب کے پرسنل ایسے سے اپنے خدوخال علیحدہ کر چکی ہے۔اس میں صوفیانہ مزاج اور مشرقی رویہ فروغ پانے لگا ہے اور اس کی عمودی جہت کائنات شناسی میں معاونت کر رہی ہے دوسرے لفظوں میں انسان کو زندگی اور مظاہر سے بانداز دگر متعارف کرانے اور اس پر زندگی اور کائنات کے اسرار منکشف کرنے میں اردو انشائیہ اپنا فریضہ بڑی خوبی سے سرانجام دے رہا ہے۔'' (۱۳)

ڈاکٹر انور سدید نے نہ صرف اپنی ''تاریخ'' میں صنفِ انشائیہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے بلکہ ''انشائیہ اردو ادب میں'' کے نام سے ایک باقاعدہ کتاب لکھی ہے، جس میں نہایت مفصل اور جامع انداز میں انشائیہ کی اصطلاح، انشائیہ نگاری کے فن، اس کی ابتدا وارتقا اور تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں احیائے جدید وترویج پر روشنی ڈالی ہے۔اگرچہ یہ انشائیہ نگاری پر ایک جامع تحقیقی وتنقیدی تصنیف ہے جو تاریخ انشائیہ میں ایک اہم سنگِ میل ہے۔تاہم اس کتاب میں بھی انھوں نے ترمیم واضافہ کے ساتھ بعض انھی خیالات کا اعادہ کیا ہے جن کا اظہار وہ پہلے اپنی تاریخ میں کر چکے تھے۔

ڈاکٹر انور سدید کے متذکرہ نقطۂ نظر کے برعکس ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنی تصنیف ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' میں مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔انھوں نے اپنی کتاب میں اردو میں انشائیہ نگاری کا

عنوان'انشائیہ کا سیاپا'' دیا ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب بھی ہے اور محلِ نظر بھی ان کا کہنا ہے کہ جدید تنقید میں انشائیہ وہ واحد صنفِ ادب ہے جس کے بارے میں نزاعی نظریات اور جذباتی مقالات لکھے جاتے رہے ہیں اور اس کی تعریف اور آغاز دونوں پر لے دے ہوتی رہی ہے۔

اس کے بعد سلیم اختر نے انشائیہ نگاری کی ابتداء، روایت اور ارتقا پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے خاص موقف کی تائید میں ڈاکٹر عبادت بریلوی کے مضمون 'انشائیہ سرسید کے عہد میں' (مطبوعہ: نئی قدریں، شمارہ ۴-۵،۶،۱۹۷۲ء) کا اقتباس رقم کیا ہے:

> ''سرسید اردو ادب کے سب سے پہلے انشائیہ نگار ہیں۔انھوں نے ''تہذیب الاخلاق'' نکالا اور تہذیب الاخلاق اردو کی انشائیہ نگاری میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سرسید کے رفقا میں محسن الملک، وقار الملک اور حالی نے بھی ایسے مضامین لکھے ہیں جن کو انشائیہ کے تحت شمار کیا جاتا ہے۔ نیرنگ خیال میں آزاد کے جو مضامین شامل ہیں، ان میں انشائیہ کا ایسا انداز نظر آتا ہے جس سے اردو زبان اب تک نا آشنا تھی۔'' (۱۴)

مندرجہ اقتباس کے بعد سلیم اختر نے انشائیہ پر تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لفظ خاصا پرانا ہے، مولانا محمد حسین آزاد کے خطوط کے مجموعہ 'مکتوباتِ آزاد' (ص:۱۰۲) میں یہ لفظ موجود ہے۔یہی نہیں کہ محمد حسین آزاد نے سب سے پہلے لفظ 'انشائیہ' وضع کیا بلکہ سب سے پہلے 'انشائیہ' بھی آزاد ہی نے لکھا ہے۔ آغا محمد باقر کی مرتبہ 'مقالاتِ محمد حسین' (جلد دوم) میں 'ناموری کا مندر' (ص ۳۸۸) کے نام سے ایک مضمون ملتا ہے جس کے بارے میں مرتب نے وضاحت کی ہے کہ یہ کسی انشائیہ کا ترجمہ ہے۔آزاد کی 'نیرنگِ خیال' کے مضامین بھی انگریزی انشائیوں کے ترجمے بتائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد صادق نے 'نیرنگ خیال' کے مقدمے میں آزاد کے تمام انشائیوں کے منابع و مصادر تلاش کیے ہیں اور ان کو ماخوذ ترجمہ قرار دیا ہے۔خود آزاد نے بھی انگریزی 'Essay' پر مبنی کتب سے استفاضہ کا نیرنگِ خیال کے دیباچے میں اعتراف کیا ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر نے انشائیہ کے ضمن میں اس نوع کے جو مباحث پیش کیے ہیں ان کا مقصد محض یہ نہیں کہ محمد حسین آزاد کی نیرنگِ خیال کے مضامین کو چربہ یا ترجمہ قرار دیا جائے بلکہ غرض یہ ہے کہ آزاد کے عہد میں ادبا صنفِ انشائیہ سے انگریزی ادب کے بالواسطہ یا بلاواسطہ مطالعہ کی بدولت کافی حد تک روشناس ہو چکے تھے اور وہ بھی ایسے Essay لکھ رہے تھے اور ان میں کچھ ایسے طبع زاد بھی ہیں اور ترجمہ بھی۔ بہت سے اُدبا نے انگریزی انشائیوں کے چراغ سے اپنے چراغ روشن کیے، بعض اوقات دوسروں سے مرکزی خیال یا تصور ماخوذ کیا اور بعض اوقات اپنی ذہنی اختراعات کے نمونے بھی پیش کیے اور وہی نمونے انشائیہ کی اردو میں اولین صورت ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا کی اردو انشائیہ نگاری میں تقدیمی حیثیت اور امتیازی مقام کو چیلنج کرتے اور اپنے اصولی موقف کی وضاحت وصراحت کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر یوں رقم طراز ہیں:

''ہمارے ہاں انشائیہ کو متعارف کرانے کا کریڈٹ بالعموم سرسید کو دیا جاتا ہے، چنانچہ ''سرسید احمد خان اور ان کے رفقا کی نثر کا فکری وفنی جائزہ'' میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے غیر مشروط طور پر انشائیہ نگاری میں اولیت کا اعزاز سرسید ہی کو بخشا۔ ان کے بقول: اردو میں مضمون نگاری کی صنف کے بانی بھی سرسید ہی تھے۔ ادب کی یہ صنف جس کا انگریزی نام 'Essay' ہے، یورپ ہی سے حاصل کی گئی ہے۔''(۱۵)

جناب وزیر آغا کے انشائیہ نگاری میں اوّلیت اور نام کی ایجاد واختراع کی تکذیب اور ڈاکٹر انور سدید کے بیان کردہ خیالات کی تردید کرتے ہوئے سلیم اختر مزید رقم طراز ہیں:

''یہ ڈاکٹر وزیر آغا کی بدقسمتی ہے کہ تحقیقات 'انشائیہ' کو قدیم سے قدیم تر ثابت کررہی ہیں چنانچہ سرسید اور مولانا محمد حسین آزاد سے بھی پہلے ماسٹر رام چندر کو اب اگر سب سے پہلا نہیں تو اردو کا قدیم ترین انشائیہ نگار تسلیم کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر سید ہ جعفر، ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی اور خواجہ احمد فاروقی سبھی انھیں اردو میں انشائیہ کی صنف کا بانی قرار دے رہے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صدیق الرحمان کی تالیف 'ماسٹر رام چندر' کے مقدمہ میں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں: 'اردو نثر کی تاریخ میں رام چندر کی یہ تقدیمی حیثیت بھی لائق توجہ ہے کہ انہوں نے اردو کو ''مضمون'' یعنی ''ایسے'' سے روشناس کرایا'۔(ص ۴۶)''(۱۶)

ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر انور سدید کے نقطۂ نظر سے اختلاف اور اپنے موقف کی وضاحت میں مزید تحقیق سے رقم طراز ہیں:

''ماسٹر رام چندر نے دو جرائد کا اجرا کیا تھا: 'فوائد الناظرین' (تاریخ اجرا: ۲۳، مارچ ۱۸۴۵ء) اور 'محبِ ہند' (تاریخ اجرا: یکم ستمبر ۱۸۴۷ء)۔ ان ہی میں انھوں نے فرانسس بیکن اور ایڈیسن کے رنگ میں انشائیے قلم بند کیے جو لحہ موجود تک دستیاب معلومات کے لحاظ سے اردو نثر میں اولین انشائیے قرار پاتے ہیں۔ یوں دیکھیں تو اردو میں انشائیہ نگاری کا آغاز ۱۸۴۵ء تک جا پہنچتا ہے۔ سرسید نے تہذیب الاخلاق کا آغاز ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو کیا تھا، گویا اردو انشائیہ کے اولین نقوش ربع صدی اور قدیم ہو جاتے ہیں۔''(۱۷)

سرسید احمد خاں سے لے کر اب تک سینکڑوں ہزاروں انشائیے تحریر کیے گئے اور انشائیہ نگاری کے موضوع پر صدہا مضامین لکھے گئے۔ چیدہ چیدہ ناقدین میں انور سدید اور سلیم اختر کے علاوہ ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر محمد صادق، خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی، وحید قریشی، مشکور حسین یاد، محمد حسن، احراز نقوی، نربھے رام جوہر، عبادت بریلوی، غلام حسین ذوالفقار، بشیر سیفی اور ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ان میں بیشتر نقادوں نے اپنی اپنی تصنیف میں سرسید کو اردو میں انشائیہ کا بانی یا اولین انشائیہ نگار قرار دیا ہے جبکہ دو ایک نے ماسٹر رام چندر کو۔ بعض نے سرسید کے بعد آزاد، حالی، سرشار اور عبدالحلیم شرر کو بڑے انشائیہ نگار قرار دیا ہے۔ انشائیے کے ناقدین کی آرا کو شامل تحریر کرتے ہوئے سلیم اختر نے لکھا ہے: ''ڈاکٹر احراز نقوی نے اپنے مقالہ بعنوان ''سرشار: بحیثیت انشائیہ نگار'' (مطبوعہ: نقوش شمارہ ۱۰۴) میں سرشار کو ایک اچھا انشائیہ نگار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ سرشار کے نثری سرمائے کو ہم سامنے رکھ کر انشائیوں کا ایک خوبصورت گلدستہ مرتب کر سکتے ہیں۔ نربھے رام جوہر نے اپنے مضمون ''عبدالحلیم شرر: ایک انشائیہ نگار'' (مطبوعہ: اردو زبان، سرگودھا، جون ۱۹۶۷ء) میں عبدالحلیم شرر کی مضمون نگاری کے ضمن میں لکھا ہے کہ انھوں نے انگریزی ایسے کی تقلید کی اور ایک نیا اور انوکھا اسلوب نگارش پیدا کیا ہے۔ اپنے انشائیوں میں شرر نے انشائیہ نگاری کی تمام خصوصیات یعنی اختصار، بے ربطی، اظہار شخصیت اور انبساطی مقصد وغیرہ کو کسی حد تک مدنظر رکھا ہے۔ ناول نویس شرر کے پردے میں ایک عظیم انشا پرداز بھی چھپا ہے جس کے قلم میں ناول کی رنگینی، کلام اور مضامین کی معنی آفرینی کے ساتھ انشائیے کا آزاد اسلوب بھی موجود ہے۔ جدید اردو انشائیہ آج جس حالت میں ہے، وہ نقشِ ثانی ہے، نقشِ اول تو وہ انشائیے ہیں جو عہد سرسید میں لکھے گئے اور جن میں شرر کے انشائیے اہم بھی ہیں اور ممتاز بھی۔'' (۱۸)

ڈاکٹر سلیم اختر نے انشائیہ نگاری کی تاریخ کی تحقیق کرتے ہوئے ڈاکٹر وزیر آغا اور انور سدید کے خیالات کی تردید بھی کی اور انھیں ہدفِ طنز و تنقید بھی بنایا ہے۔ ساتھ ہی اپنے ہم خیال ناقدین کے نقطہ ہائے نظر سے استدلال بھی کیا ہے: ''ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنے جملہ ذرائع ابلاغ استعمال کرتے ہوئے انشائیہ کی بحث کو یوں الجھا دیا ہے اور مختلف انشائیہ نگاروں کی یوں کردارکشی کی ہے کہ انشائیہ کی اصطلاح ایجاد کرنے کا تاج اپنے سر پر سجانے کا موقع مل جائے حالانکہ تحقیق سے لفظ انشائیہ اور انشائیے کی صنف کی قدامت واضح ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں مشرف احمد کی فراہم کردہ معلومات کی رو سے 'منتخاب مخزن' میں مندرجہ ذیل ادبا کے انشائیے شائع ہوئے ہیں۔ 'رموزِ حیات' اور 'چھوٹا منع ہے' (قاری سرفراز

حسین عزمی دہلوی)،'ٹوپی'، 'دستار'(شیخ محمد اکرم)، 'سوچنا'، (خواجہ محمد اسحاق، ہمایوں،فروری ۱۹۴۴ء)، 'اگر موت نہ ہوتی'، (عبدالقادر فاروقی، ہمایوں، مارچ ۱۹۴۴ء)۔مشرف احمد مزید لکھتے ہیں کہ عبدالحلیم شرر کے رسالہ 'دلگداز' میں ان کے بہت سے انشائیے ہیں۔شرر کے بعض انشائیوں کے نام یہ ہیں: 'شادی وغم'، 'سوگواری'، 'سادگی' (مضامینِ شرر، جلد ۷)۔عبدالحلیم شرر کے مضامین جو شاعرانہ و عاشقانہ کہہ کر پیش کیے گئے ہیں، ان میں سے بیشتر انشائیے ہیں۔اس جلد میں ایک انشائیہ 'خود نمائی' ہے۔جس کے بارے میں حاشیے میں یہ عبارت درج ہے: 'یہ مضمون انگریزی کے جادو بیان اڈیسن کے ایک مضمون سے ماخوذ ہے۔' (ص:۶۹۸) اس کے علاوہ ایک اور انشائیہ 'ہماری خود پرستیاں وخود نمائیاں' بھی ہے۔جس کے بارے میں یہ عبارت تحریر ہے: 'یہ مضمون اگرچہ اپنا بنا لیا گیا ہے مگر گولڈ اسمتھ سے ماخوذ ہے۔' (ص:۷۷۵)"(۱۹)

فاضل مصنف نے اپنی تاریخ اور دوسری تصنیف 'انشائیہ کی بنیاد' میں انشائیہ کی اصطلاح، ابتدا اور ارتقا کے تاریخی مباحث بالتحقیق بیان کرنے کے بعد اردو انشائیہ کی ماہیت، معیار اور اصول وضوابط پر سخت تنقید کی ہے، جن کی تعیین دبستان سرگودھا کی طرف سے انگریزی تنقیدات کی روشنی میں کی گئی ہے۔

اس سارے تبصرے کے بعد ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنی تاریخ میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وزیر آغا لفظ انشائیہ کے خالق ہیں اور نہ انشائیہ کے موجد۔انشائیہ نگاری کے لیے ان کے وضع کردہ تکنیکی اصول نا روا ہیں۔وزیر آغا نے اردو انشائیے کی صنفی شناخت کے لیے جو بھی مقتضیات معین کیے، وہ ناجائز پابندیوں کے ضمن میں آتے ہیں اور انشائیے کے قبولِ عام میں مانع ہیں تاہم موجودہ دور میں بہت اچھے انشائیے تحریر کیے گئے۔بہت سے ادبا انشائیہ نگاری کی طرف متوجہ ہوئے جنھوں نے انشائیہ کو بڑی ترقی دی ہے۔مختصر یہ کہ شگفتہ اسلوب، متنوع موضوعات اور لطیف پیشکش کے لحاظ سے جدید انشائیہ قدیم تحریروں کی توسیع کا نام ہے۔

ماحصل

ڈاکٹر سلیم اختر اور ڈاکٹر انور سدید کی تواریخِ ادب میں صنفِ نثر انشائیہ سے متعلق مشمولہ تنقیدی مباحث کے تقابلی مطالعہ کے بعد نتائج برآمد ہوتے ہیں کہ دونوں معاصر ادبی تاریخ نویسوں نے بعض مقامات پر اعتدال سے تجاوز کیا ہے۔انھوں نے 'انشائیہ' کی وجہِ اصطلاح، اردو میں انشائیہ نگاری کی ابتدا اور ارتقا کے متعلق کسی قدر جانبدارانہ نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔دونوں فاضل تاریخ نگاروں کے صنفِ انشائیہ کی بابت خیالات اپنے اپنے مخصوص مکتبِ فکر کے ترجمان اور معاصرانہ چشمک کے غماز ہیں۔سلیم اختر کی

تاریخ میں ''انشائیہ کا سیاپا'' کا عنوان عجیب اور غیر ادبی ہے جو ان کے جارحانہ رویے کا عکاس ہے۔ انھوں نے انشائیہ کی ابتدا کا سراغ لگاتے لگاتے مضمون اور انشائیہ کو باہم خلط ملط کر دیا ہے جو ان کے غیر متوازن طرزِ تنقید کا مظہر ہے۔ جناب سلیم اختر کا یہ دعویٰ بھی مبنی بر حق نہیں کہ انشائیہ کی اصطلاح محمد حسین آزاد کی ادبی اختراع ہے؛ اس لیے کہ مکتوباتِ آزاد میں 'فنون انشائیہ' کی ترکیب کہیں بھی 'Light Essay' کے معنی میں مستعمل نہیں بلکہ ڈراما کے ضمن میں اصنافِ ادب کے وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔ اس کے مطلب اور محل استعمال وہ نہیں جو سلیم اختر نے اپنی تاریخِ ادب میں مشخص کیا۔ (تاہم انھوں نے اپنی کتاب کے نوترمیم ایڈیشن میں اپنے موقف میں جزوی تصرف کر لیا ہے) جبکہ تاریخی صداقت یہی ہے کہ اس لفظ کا بطورِ اصطلاح استعمال قیامِ پاکستان کے بعد رواج پذیر ہوا اور بقول مشکور حسین یاد 1958-59ء میں ایسے (Essay) کے لیے مختص ہو گیا۔ (۲۰)

ہر زبان میں جملہ اصناف ادب ایک خاص ہیئت کی پابند اور اصول وضوابط پر مبنی ہوتی ہیں، جو صنفی مقتضیات سے مخصوص ہوتے ہیں؛ اس ادبی حقیقت کے باوجود سلیم اختر کا یہ نقطۂ نگاہ بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ وزیر آغا اور انور سدید کی طرف سے انشائیہ نگاری کے لیے جملہ ماہیتی اصولوں کی تشکیل اور خصوصیات کی تعیین ناجائز ہے اور اس کی وسعت وترقی کی راہ میں حائل ہے۔ علاوہ بریں وہ انشائیہ کو کسی مخصوص فریم میں رکھنے یا چند خانوں میں محدود کر دینے کی بجائے جملہ اصناف نثر میں، جہاں جہاں اس کے نقوش نمایاں ہوں، انشائیے کے طور پر قبول کرنے کے حامی ہیں۔ اسی طرح جناب انور سدید کے تنقیدی افکار بھی متنازع متصور ہوتے ہیں کیونکہ انھوں نے دبستانِ سرگودھا کے تتبع میں جانبدارانہ روش اپناتے ہوئے بعض تاریخی حقائق سے اغماض اختیار کیا اور اپنے مکتبی موقف کی صحت پر اصرار کیا ہے۔ انھوں نے انشائیہ کی اصولی تعریف اور خصوصیات کے بیان سے آغاز کرنے کے بجائے شروع ہی میں وزیر آغا کی انشائیہ نگاری کے محاسن اور اُردو انشائیے میں ان کی اولیت کے متنازع تذکرے چھیڑ دیے۔ 'مدلل مداحی' کے بعد دو تین سطور میں انشائیہ پر روشنی ڈال کر نارچ آف کر دیا۔ مزید برآں انور سدید صاحب نے انشائیہ کی اصطلاح اور ابتدائی نمونوں کی جانچ پرکھ کے معاملے میں انصاف اور دیانتداری سے کام نہیں لیا جو ایک تاریخ نویس کی بنیادی صفات ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ دونوں تاریخ نویسوں کی تواریخ میں بعض مقامات پر توازن، عدل اور غیر جانبداری کا فقدان ہے، نیز اپنے اپنے ناقدانہ موقف کو صحیح قرار دینے اور قارئین سے باصرار منوانے کا عنصر غالب ہے جو ادبی تاریخ نویسی میں کوئی صحت مند رجحان نہیں مانا جاتا۔

ڈاکٹر سلیم اختر اور ڈاکٹر انور سدید، اردو کے دو بڑے ادبی مؤرخ اور نقاد ہیں، جنھوں نے اپنی اپنی تاریخوں اور کتابوں میں اردو میں انشائیہ نگاری پر جامع تبصرہ کیا ہے۔ دونوں مؤرخین انفرادیت پسند ہونے کے باعث ادبی موضوعات، رجحانات، تصورات و نظریات اور تحریکات کے حوالے سے جداگانہ نقطۂ نگاہ کے مالک ہیں؛ انشائیے کی بابت بھی ان کی تنقیدی فکر جدا جدا ہے۔ لیکن دونوں کا نقطۂ نظر مکمل درست ہے نہ قطعی طور پر جامع و مانع، سو ہر دو سے جزوی اختلاف ممکن ہے۔ بایں ہمہ یہ ادب کی تاریخی حقیقت ہے کہ اردو انشائیہ، انگریزی ادب کے مطالعے اور اتباع کے نتیجے میں انگریزی عہدِ اقتدار میں متعارف ہوا تھا مگر وہ تقسیم ہند کے بعد ہی عوامی سطح پر زیادہ مقبول اور رواج پذیر ہوا۔ علاوہ بریں اگرچہ اردو انشائیہ نگار مغربی اُدبا سے اثر پذیر ہوئے اور ان کی اثر پذیری میں انگریزی Essays بطور نمونہ ان کے پیشِ نظر رہے تاہم ان کے مضامین ان کے زمینی حقائق اور فطری ماحول سے منسلک رہے اور ان کے اسلوب میں بھی بیشتر مقامیت ہی منعکس رہی اور اسی مقامیت کی بدولت اُردو انشائیہ ایک مشرقی صنف بن کر اُردو ادب میں اظہار پذیر ہوا۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) راغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مکۃ المکرمہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، الجزء الثانی، ص ۶۳۸

(۲) پرویز، غلام احمد، لغات القرآن، لاہور: ادارۂ طلوعِ اسلام، بار اول ۱۹۶۱ء، جلد چہارم، ص ۶۲۰

(۳) مشکور حسین یاد، ممکناتِ انشائیہ، لاہور: پولیمر پبلی کیشنز، ۱۹۸۳ء، ص ۶۳ تا ۶۸

(4) Chris Baldick, The Oxford Dictionary of Literary Terms, UK: Oxford University Press, (Fourth Edition,2015), P: 126

(5) Encyclopaedia Britannica,(Eleventh Edition,1910-11),Vol.9,P:776

(۶) غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، دیباچہ طبع ثالث، مضامینِ سر سید (منتخبات تہذیب الاخلاق)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص ن

(۷) حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، کشافِ تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ستمبر ۱۹۸۵ء، ص ۱۸

(۸) غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مقدمہ طبع ثالث، مضامین سر سید، ص ن

(۹) انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، ۱۴- ۲۰۱۳ء، ص ۵۸۱

(۱۰) ایضاً

(۱۱) معین الرحمٰن، ڈاکٹر سید، ''نثری ادب'' لاہور: مکتبہ کارواں، کچہری روڈ، نقشِ اول ۱۹۸۶، ص ۴۱

(۱۲) انور سدید، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی مختصر تاریخ''، ص ۵۸۱

(۱۳) انور سدید، ڈاکٹر، ''اردو ادب کی مختصر تاریخ''، ص ۵۸۳

(۱۴) بحوالہ، سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، طبع ۲۰۱۳ء، ص ۵۳۶

(۱۵) سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص ۵۳۷

(۱۶) ایضاً

(۱۷) ایضاً

(۱۸) بحوالہ، سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص ۵۳۸

(۱۹) ایضاً

(۲۰) مشکور حسین یاد، ممکناتِ انشائیہ، ص ۶۲